از

فقیہ العصر حضرت مولانا

مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی

نور اللہ مرقدہ

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

تعلیم قرآن کی ضرورت واہمیت

پیش لفظ

از حضرت مؤلف مدظلہم

بعد الحمد والصلوٰۃ:

گزارش آنکہ اس زمانہ میں قرآن کریم اور علوم قرآن کریم کی تعلیم سے اکثر بے اعتنائی اور بے توجہی کی جارہی ہے اور دنیوی علوم کی طرف زیادہ توجہ ہوتی جارہی ہے قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے والوں کی تعداد بہ نسبت دنیوی تعلیم حاصل کرنے والوں کے بہت ہی کم ہے بلکہ ان مکاتب اور مدارس دینیہ کو جن میں قرآن کریم اور علوم قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے فضول اور قوم پر بوجھ سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ مدارس دینیہ سرکاری امداد وتعاون کے بغیر اپنی مدد آپ کے اصول پر عام مسلمانوں کے چندے سے چلتے ہیں اور اہل خیر چندہ دینے والے حضرات اپنی دلی رغبت سے ثواب حاصل کرنے کے لیے اس کار خیر میں حصہ لیتے ہیں، کسی پر نہ جبر ہوتا ہے اور نہ قوم پر بوجھ کا اس میں کوئی شائبہ ہے بلکہ خوش دلی سے باہمی تعاون کے ذریعہ ان مدارس ومکاتب میں علوم دینیہ اور قرآن وسنت کی تعلیم کا کام انجام پارہا ہے۔

ایک خلاف حقیقت پروپیگنڈہ

ان مدارس دینیہ کے قوم پر بوجھ ہونے کا پروپیگنڈہ خلاف حقیقت اور علوم دینیہ وقرآن وسنت کے خلاف نفرت پھیلانے کے مترادف ہے اس کے برعکس دنیوی تعلیم کے اسکولوں اور کالجوں پر سرکاری خزانوں سے سالانہ لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے مگر اس کے باوجود سرکاری مدارس کو قوم پر بوجھ نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان کو دنیوی ترقی، ملازمتوں اور عہدوں کے حصول کے لیے قومی ضرورت کا درجہ دیا جاتا ہے۔

مسلم قومیت کی بنیاد

افسوس کی بات ہے کہ قرآن کریم اور قرآنی علوم کی تعلیم کو سرے سے قومی ضرورت نہیں سمجھا جاتا حالانکہ مسلم قومیت کی بنیاد قرآن کریم اور اس کے متعلقہ علوم پر ہی قائم ہے۔علامہ اقبال کہتے ہیں ۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم　　　حکمت اولا یزال است وقدیم

گرتو می خواہی مسلماں زیستن　　　نیست ممکن جز بقرآں زیستن

یعنی اگر مسلمان بن کر زندہ رہنا چاہتے ہوتو بغیر قرآن کریم کی تعلیم کے بحیثیت مسلمان زندہ نہیں رہ سکتے۔

جس تعلیم قرآن اور علوم قرآن پر مسلم قومیت کی عمارت قائم ہے اور جو تعلیم مسلم قومیت کی بنیاد ہے اس کی طرف توجہ نہ کرنا بلکہ اس کو فضول سمجھنا کیا

''یکے بر سر شاخ و بن می برید'' کا مصداق نہیں ہے؟ یعنی جس شاخ پر بیٹھا ہے اسی کی جڑ کاٹ رہا ہے۔

دنیوی تعلیم حاصل کرنے کا مقصد

عام طور پر دیکھنے میں آ رہا ہے کہ دنیوی تعلیم اسکولوں اور کالجوں کی طرف لوگوں کی رغبت کی وجہ مال و دولت اور جاہ کی طلب اور محبت ہے اس تعلیم کو بھوک کے خوف اور پیٹ بھرنے کے لیے حاصل کرتے ہیں، ان لوگوں کا تصور یہ ہے کہ دینی تعلیم حاصل کر کے سرکاری ملازمتیں اور عہدے نہیں ملیں گے تو کھائیں گے کہاں سے، گویا بھوک کے خوف سے دنیوی تعلیم دلائی جاتی ہے اور دینی، روحانی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے، اس طرح اندیشہ افلاس سے اپنی اولاد اور عزیزوں کا روحانی اور اخلاقی قتل کیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں حکم قرآنی لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق (نہ قتل کرو اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے) کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دنیوی ترقی کے لیے اگر دنیوی تعلیم اور سرکاری اسکولوں کالجوں کی ضرورت اور اس پر قومی خزانہ کا لاکھوں کا خرچ ناگزیر ضرورت ہے تو دینی اور روحانی اقدار کے لیے قرآن اور اس کے متعلقہ علوم کے لیے تعلیم گاہوں اور دینی مدارس کی سخت ضرورت کیوں نہیں ہے جبکہ اس کے بغیر مسلم قومیت کا بقاء اور تحفظ ناممکن ہے۔

الغرض اس ضرورت کے پیش نظر قرآن اور علوم قرآنیہ کی طرف خصوصی

توجہ دلانے کے لیے یہ مختصر مضمون بعنوان ''تعلیم قرآن کی ضرورت واہمیت'' پیش کیا جارہا ہے۔تمام مسلمانوں اور بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ سے بغور اس مضمون کو دیکھنے اور دینی تعلیم کی طرف توجہ کرنے کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو قرآن کریم اور اس کے متعلقہ علوم کی تعلیم اور حفاظت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

تنبیہ:

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم کے جس طرح معانی اور مضامین کی حفاظت اور تعلیم ضروری ہے اسی طرح اس کے الفاظ کی حفاظت اور تعلیم بھی ضروری ہے یہ خیال غلط ہے کہ الفاظ قرآن کو بغیر سمجھے پڑھنا فضول ہے اس زیر نظر مضمون میں اس کو اچھی طرح واضح کردیا گیا ہے کہ الفاظ قرآن بھی مقصود ہیں اور ان کی تعلیم بھی ضروری ہے اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا وعظ ''الفاظ القرآن'' دیکھنا بہت مفید اور شبہات کے ازالہ کے لیے ضروری ہے۔

فقط

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

جامعہ حقانیہ ساہی وال سرگودھا

۷/ج ا۔۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی من انزل علیہ آیات الکتاب وقرآن مبین وعلی آلہ الطیبین الطاھرین واصحابہ الغر المحجلین الذین قاموا باقامۃ الدین المتین امابعد: فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ربناوابعث فیھم رسولامنھم یتلواعلیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃویزکیھم انک انت العزیزالحکیم (پ۴)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگاراوربھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اورسکھلائے ان کوکتاب اورتہہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

اس آیت مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیامیں بعثت کے جن عظیم مقاصد کاذکرفرمایا گیا ہے پہلے ان کی مختصرتشریح ملاحظہ فرماویں۔

آیت کی تشریح

یتلواعلیھم آیا تک:

تلاوت کے اصلی معنی اتباع اورپیروی کے ہیں کیونکہ اس کلام کے پڑھنے والے کواس کاپورااتباع کرنالازم ہے جس طرح اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہواٹھیک اسی طرح پڑھناضروری ہے اپنی طرف سے کسی لفظ یااس کی

حرکت میں کمی بیشی یا تبدیلی کی اجازت نہیں امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا ہے کہ کلام الٰہی کے علاوہ کسی دوسری کتاب یا کلام کے پڑھنے کو عرفاً تلاوت نہیں کہا جاسکتا ہے۔

ویعلمھم الکتاب والحکمۃ:

اس میں ’’کتاب‘‘ سے مراد کتاب اللہ ہے اور الحکمۃ کا لفظ عربی لغت میں کئی معنی کے لیے آتا ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ جو معانی قرآن کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر کرتے ہیں اس جگہ لفظ حکمت کے معنی بیان کرنے میں اگر چہ ان کے الفاظ مختلف ہیں لیکن خلاصہ سب کا ایک ہی ہے یعنی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، امام تفسیر کبیر و ابن جریر نے حضرت قتادہ تابعی سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔

ویزکیھم:

زکوٰۃ سے مشتق ہے جس کے معنی طہارت اور پاکی کے ہیں اور یہ لفظ ظاہری اور باطنی ہر طرح کی پاکی کے لیے بولا جاتا ہے (ماخوذ از معارف القرآن مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)

اس مختصر تشریح سے واضح ہوگیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آئندہ نسل کی فلاح دنیا و آخرت کے واسطے حق تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ میری اولاد میں ایک رسول بھیج دیجیے جو ان کو آپ کی آیات تلاوت کرکے سنائے اور قرآن

وسنت کی تعلیم دے اور ان کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک کرے۔

دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے

قرآن کریم اس جہاں میں وہ نعمت بے بہا ہے کہ سارا جہاں، آسمان وزمین اور ان میں پیدا ہونے والی مخلوقات اس کا بدل نہیں بن سکتی۔

انسان کی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی اپنی طاقت کے مطابق قرآن کریم میں اشتغال اور اس کو حاصل کرنا ہے اور سب سے بڑی شقاوت اور بدنصیبی اس سے اعراض اور اسے چھوڑنا ہے اس کی فکر فرض عین اور ضروری ہے کہ قرآن کریم کی صحت لفظی کے ساتھ پڑھنے اور اولاد کو پڑھانے کی کوشش کرے اور پھر جس قدر ممکن ہو اس کے معانی اور احکام کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی فکر میں لگا رہے اور اس کو اپنی پوری عمر کا وظیفہ بنائے اور اپنے حوصلے اور ہمت کے مطابق اس کا جو حصہ بھی نصیب ہو جائے اس کو اس جہاں کی سب سے بڑی نعمت سمجھے (ماخوذ از معارف القرآن)

بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تین مقاصد

اس آیت میں اور سورۂ آل عمران اور سورۂ جمعہ کی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک ہی مضمون ایک ہی طرح کے الفاظ میں آیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدۂ نبوت ورسالت کے فرائض منصبی تین بیان کیے گئے

ایک تلاوت آیات دوسرے تعلیم کتاب وحکمت تیسرے لوگوں کا تزکیۂ اخلاق وغیرہ۔

پہلا مقصد تلاوت آیات

معانی کی طرح الفاظ بھی مستقل مقصود ہیں:

یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ تلاوت کا تعلق الفاظ سے ہے اور تعلیم کا معانی سے اس جگہ تلاوت وتعلیم کو الگ الگ بیان کرنے سے یہ حاصل ہوا کہ قرآن کریم میں جس طرح معانی مقصود ہیں اسی طرح اس کے الفاظ بھی مستقل مقصود ہیں ان کی تلاوت اور حفاظت فرض اور اہم عبادت ہے۔

قرآن کریم کے معانی کی طرح اس کے الفاظ کی تلاوت بھی جداگانہ فرض ہے

دو اہم نتیجے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا واسطہ شاگرد عربی زبان کے اعلیٰ درجہ کے ماہر اور اس کے فصیح وبلیغ خطیب وشاعر تھے ان کے سامنے قرآن عربی کا پڑھ دینا بھی بظاہر ان کی تعلیم کے لیے کافی تھا، ان کو الگ سے ترجمہ وتفسیر کی ضرورت نہ تھی تو پھر تلاوت آیات کو ایک علیحدہ مقصد اور تعلیم کتاب کو جداگانہ مقصد رسالت قرار دینے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ عمل کے اعتبار سے یہ دونوں مقصد ایک ہی ہو جاتے ہیں، اس میں غور کیا جائے تو دو اہم نتیجے آپ کے سامنے آئیں گے۔

اول یہ کہ قرآن کریم دوسری کتابوں کی طرح کتاب نہیں ہے جس میں صرف معانی مقصود ہوتے ہیں الفاظ ایک ثانوی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں اگر معمولی تغیر وتبدل بھی ہوجائے تو کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا ان الفاظ کو بغیر معنیٰ سمجھے ہوئے پڑھنا بالکل لغو اور فضول ہے، بلکہ قرآن کریم کے جس طرح معانی مقصود ہیں اسی طرح الفاظ بھی مقصود ہیں اور الفاظ کے ساتھ خاص خاص احکام شرعیہ بھی متعلق ہیں، یہی وجہ ہے کہ اصول فقہ میں قرآن کریم کی یہ تعریف کی گئی ہے "ھو النظم والمعنیٰ جمیعاً" یعنی قرآن نام ہے الفاظ اور معنیٰ دونوں کا، جس سے معلوم ہوا کہ اگر معانی قرآن کو الفاظ قرآن کے علاوہ دوسرے الفاظ یا دوسری زبان میں لکھا جائے تو وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں ان مضامین قرآنیہ کو بدلے ہوئے الفاظ میں اگر کوئی شخص نماز میں پڑھ لے تو نماز ادا نہ ہوگی اسی طرح اور تمام احکام جو قرآن کریم سے متعلق ہیں اس پر عائد نہیں ہوں گے، قرآن کریم کی تلاوت کا جو ثواب احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے وہ بدلی ہوئی زبان یا بدلے ہوئے الفاظ پر مرتب نہیں ہوگا، اور اسی لیے فقہاء امت نے قرآن کریم کا صرف ترجمہ بلا متن قرآن کے لکھنے اور چھاپنے کو ممنوع فرمایا ہے جس کو عرف میں اردو یا انگریزی کا قرآن کہہ دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ درحقیقت جو قرآن اردو یا انگریزی میں نقل کیا گیا ہے وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت اور اسی طرح کی دوسری آیات میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں تعلیم کتاب سے تلاوت آیات جداگانہ فرض قرار دے کر اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ قرآن کریم میں جس طرح اس کے معانی مقصود ہیں اسی طرح اس کے الفاظ بھی مقصود ہیں، کیونکہ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے معانی کی نہیں اسی لیے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں معانی کی تعلیم داخل ہے اسی طرح الفاظ کی تلاوت اور حفاظت بھی ایک مستقل فرض ہے۔

قرآن کریم کے نزول کا اصل مقصد

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم کے نزول کا اصل مقصد اس کے بتائے ہوئے نظام زندگی پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات کو سمجھنا اور سمجھانا ہے، محض اس کے الفاظ رٹ لینے پر قناعت کر کے بیٹھ جانا قرآن کریم کی حقیقت سے بے خبری اور اس کی بے قدری ہے۔

قرآن کریم کے الفاظ بغیر سمجھے پڑھنا بھی ایک مستقل فرض کی ادائیگی ہے

لیکن اس کے ساتھ یہ کہنا بھی کسی طرح صحیح نہیں کہ جب تک قرآن کریم کے الفاظ کے معانی نہ سمجھے جائیں اس کے الفاظ پڑھنا فضول ہیں اس زمانہ میں ایک عام گمراہی یہ بھی پھیل رہی ہے کہ قرآن کریم کے حفظ کو فضول سمجھا جا رہا ہے اور اس کے الفاظ یاد کرنے کو دماغ سوزی اور تضییع اوقات کہا جاتا ہے۔

بہت سے حضرات خصوصاً نئے تعلیم یافتہ لوگ قرآن کریم کو دوسری

کتابوں پر قیاس کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک کسی کتاب کے معنیٰ نہ سمجھے جائیں تو اس کتاب کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا وقت کا ضائع کرنا ہے مگر قرآن کریم میں ان کا یہ خیال صحیح نہیں اور ایک فرض قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت سے غفلت اور اعراض کے مترادف ہے کیونکہ قرآن کریم الفاظ اور معنیٰ دونوں کا نام ہے، جس طرح اس کے معانی کا سمجھنا اور اس کے دیے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور اعلیٰ عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کی تلاوت بھی ایک مستقل فرض اور عبادت اور باعث ثواب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تلاوت میں طرز عمل

یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو معانی قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے اور سمجھنے والے تھے انہوں نے محض معنیٰ سمجھ لینے اور عمل کر لینے کو ہی کافی نہ سمجھا بلکہ انہوں نے ساری عمر تلاوت قرآن کریم کو حرز جان بنائے رکھا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روزانہ ایک قرآن کریم مکمل پڑھتے تھے بعض دو دن میں اور اکثر تین دن میں مکمل کرنے کا رواج تھا اور ہر ہفتہ میں مکمل کرنے کا تو پوری امت کا معمول چلا آرہا ہے قرآن کریم کی سات منزلیں اسی ہفتہ واری معمول کی علامت ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل بھی بتلا رہا ہے کہ جس طرح قرآن کریم کے معانی کا سمجھنا اور عمل کرنا اصلی فرض اور عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کی تلاوت بھی

بجائے خود ایک مستقل فرض اور اعلیٰ عبادت اور موجب انوار و برکات اور سرمایہ سعادت و نجات ہے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں تلاوت آیات کو ایک مستقل حیثیت دی گئی ہے

قرآن کریم کے معانی سمجھنے کی کوشش کرنی بھی ضروری ہے

مقصد یہ ہے کہ جو مسلمان فی الحال معانی قرآن کو نہیں سمجھ تے وہ اس بدنصیبی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ الفاظ کو فضول سمجھ کر اس سے محروم ہو جائیں بلکہ ان کو کوشش کرتے رہنا ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کے معانی سمجھیں تا کہ قرآن کریم کے حقیقی انوار و برکات کا مشاہدہ کریں اور نزول قرآن کا اصلی مقصد پورا ہو۔

قرآن کریم کو معاذ اللہ جنتر منتر کی طرح صرف جھاڑ پھونک میں استعمال کی چیز نہ بنائیں۔ اور بقول علامہ اقبال مرحوم سورۂ یسین کو صرف اس کام کے لیے نہ سمجھیں کہ اس کے پڑھنے سے جان سہولت سے نکل جاتی ہے۔

یہ بھی اس کا فائدہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے شفا ہو جاتی ہے یا سہولت سے جان نکل جاتی ہے سورۂ یسین کا یہ بھی ایک فائدہ ہے مگر یسین کو صرف اسی کام کے لیے سمجھ لینا اور اس پر قناعت کر لینا اس کی صحیح قدر کی پہچان نہیں ہے لیکن بغیر سمجھے پڑھنا فضول اور بے فائدہ بھی نہیں ہے اس کو بے فائدہ سمجھنا بے سمجھی کی بات ہے اگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور یہ پڑھنا فضول ہوتا تو یہ لوگ بھی اپنے ایسے موقعوں پر قرآن کریم کیوں پڑھواتے۔

اب تو رسم قل وغیرہ کا ایسا اہتمام ہو گیا ہے کہ اس کو تقریب شادی اور خوشی کی دعوت میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے دانش منداور دیدہ ور علماء کرام اس کو بدعت قرار دے کر منع بھی کرتے ہیں مگر پھر بھی یہ بے سمجھے قرآن کریم پڑھنے کو فضول کہنے والے بھی اس کو بڑی دھوم دھام سے ادا کرتے ہیں اور اس میں قرآن خوانی بھی کراتے ہیں کیا یہ قرآن خوانی فضول اور بے فائدہ سمجھ کر ہی کرائی جاتی ہے اور یہ فضول حرکت کی جاتی ہے؟

قرآن فہمی کے بارے میں ایک شدید غلطی

کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک مرض وبا کی طرح پھیل رہا ہے کہ صرف عربی پڑھ لینا اور عربی زبان کا جاننا قرآن کریم کے سمجھنے کے لیے کافی ہے، چنانچہ بعض لوگ معمولی عربی زبان پڑھ لینے کے بعد جنہیں عربی زبان پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا،قرآن کریم میں رائے زنی شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ بعض لوگ عربی زبان بھی نہیں جانتے صرف اردو یا انگریزی کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کریم کا عالم سمجھنے لگ جاتے ہیں اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے ،خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ انتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک اور گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم وفنون کے بارہ میں ہر آدمی اس بات کو سمجھتا ہے کہ کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کے مطالعہ کر لینے اسی طرح

قوانین کی کتابوں کے مطالعہ سے نہ تو ڈاکٹر بن سکتا ہے نہ ہی مکمل قوانین کا ماہر وکیل ہوسکتا ہے، جب تک اس نے کسی میڈیکل کالج اور لاء کالج سے با قاعدہ تعلیم وتربیت حاصل نہ کی ہو کوئی عاقل اس کو ڈاکٹر اور وکیل نہیں سمجھ سکتا نہ ہی ان علوم میں اس کی رائے کا اعتبار کیا جا سکتا ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں ہر شخص اس اصول کو جانتا اور ضروری سمجھتا ہے کہ ہر علم وفن کے لیے اس کے ماہر اساتذہ کے زیر تربیت رہ کر ان سے با قاعدہ اس علم وفن کو سیکھنا ضروری ہے، مگر قرآن کریم اور حدیث شریف کے معاملہ میں صرف عربی زبان کے سیکھ لینے بلکہ اس کے ترجمہ کے مطالعہ کو ہی کافی سمجھ لیا جاتا ہے اور اس ناقص علم کے بل بوتے پر قرآن کریم میں رائے زنی کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے بلکہ با قاعدہ علوم قرآن کو سیکھنے والے علماء کی غلطیاں نکالی جانے لگتی ہیں اور برملا یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے ہر شخص کو اس کا علم حاصل کرنا چاہیے اور قاعدہ کے مطابق اس کو سمجھنا چاہیے جیسا کہ میڈیکل اور لاء وغیرہ پر بھی کسی کی اجارہ داری نہیں ہے مگر ان علوم کو با قاعدہ حاصل کیے بغیر ان میں رائے زنی کا حق کسی عاقل کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے اسی طرح قرآن کریم کو با قاعدہ سمجھے بغیر اس میں رائے زنی اور پھر وہ بھی اس کے با قاعدہ تعلیم یافتہ حضرات علماء کرام کے مقابلہ میں کسی سمجھدار آدمی کے نزدیک صحیح نہیں ہوسکتی۔

علوم قرآن کریم

قرآن کریم کا ایک حصہ عام نصیحت سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین پر مشتمل ہے مثلاً دنیا کی ناپیداری جنت ودوزخ کے حالات خوف خدا وفکر آخرت پیدا کرنے والی باتیں اس قسم کی آیتوں کو عربی زبان کی واقفیت یا ترجمہ کی مدد سے سمجھ کر ہر شخص نصیحت حاصل کرسکتا ہے "ولقد یسرنا القرآن للذکر" بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کردیا، اسی قسم کی آیات کے بارہ میں فرمایا گیا ہے اور لفظ "للذکر" (نصیحت کے واسطے) اس بات کو بتلا رہا ہے۔

مگر جو آیات احکام وقوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں اس قسم کی آیات کو ماہر اساتذہ کی تعلیم وتربیت اور اسلامی علوم میں بصیرت کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اگرچہ مادری زبان عربی تھی اور ان کو اس زبان کے سیکھنے کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف سورہ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کیے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی مادری زبان عربی تھی جو عربی کے شعر وادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ان کو معمولی

توجہ سے عربی کے لمبے لمبے قصیدے یاد ہو جاتے تھے، انہیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لیے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی کہ آٹھ آٹھ سال صرف ایک سورت کے پڑھنے میں خرچ ہو جائیں، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لیے صرف عربی زبان جاننا بلکہ اس میں مہارت کا حاصل ہونا بھی کافی نہیں تھا بلکہ اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عربی زبان میں مہارت اور نزول وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود قرآن کریم سمجھنے اور اس کا عالم بننے کے لیے باقاعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی تو نزول قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شد بد پیدا کر کے یا صرف ترجمہ کا مطالعہ کر کے مفسر قرآن بننے کا دعویٰ کرنا اور قرآن کریم میں رائے زنی کرنے کا حق سمجھنا کتنی بڑی جسارت اور علم دین کے ساتھ افسوس ناک مذاق ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من قال في القرآن بغير علم فليتبوأ مقعده في النار جو شخص قرآن کے بارہ میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے (ابوداؤد) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے من تكلم في القرآن برأيه فاصاب فقد اخطأ جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی

کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔ابوداؤد،نسائی،ازاتقان۲/۱۷۹۔(ماخوذاز علوم القرآن مقدمہ معارف القرآن)

قرآن فہمی کے لیے تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت

تلاوت آیات کے فرض کے ساتھ تعلیم کتاب کوجدا گانہ فرض قرار دیا گیا ہے،اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ قرآن فہمی کے لیے صرف عربی زبان کا جان لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے جیسے تمام علوم وفنون میں یہ بات معلوم ومشاہد ہے کہ کسی فن کی کتاب کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے محض اس کتاب کی زبان جاننا بلکہ زبان کا ماہر ہونا بھی کافی نہیں جب تک اس فن کو کسی ماہر استاذ سے حاصل نہ کیا جائے مثلاً آج کل ڈاکٹری،ہومیو پیتھک کی کتابیں عموماً انگریزی زبان میں ہیں لیکن محض انگریزی زبان میں مہارت پیدا کر لینے اور ڈاکٹری کی کتابوں کے مطالعہ کر لینے سے کوئی شخص ڈاکٹر نہیں بن سکتا نہ انجینئرنگ کی کتابیں پڑھنے سے کوئی انجینئر بن سکتا ہے بلکہ استاذ سے سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو پھر مضامین قرآن کریم جوعلوم الٰہیہ سے لے کر طبعیات وفلسفہ تک تمام گہرے دقیق علوم پر حاوی ہے وہ محض عربی زبان جان لینے سے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔

اگر یہی ہوتا کہ جو شخص عربی زبان سیکھ لے وہ معارف قرآن کا ماہر سمجھا جائے تو آج بھی ہزاروں یہودی اور نصرانی عرب ممالک میں عربی زبان کے

بڑے ماہراورادیب ہیں وہ سب سے بڑے مفسر قرآن مانے جاتے اورزمانہ رسالت میں ابوجہل ابولہب قرآن کریم کے ماہر سمجھے جاتے۔

ایک طرف تورسول کے فرائض میں تلاوت آیات کوایک مستقل فرض قرار دیا دوسری طرف تعلیم کتاب کوجداگانہ فرض قرار دے کر بتلادیا کہ محض تلاوت آیات اوران کاسن اور پڑھ لینا فہم قرآن کے لیے عربی زبان جاننے والوں کے لیے بھی کافی نہیں بلکہ تعلیم رسول ہی کے ذریعہ قرآنی تعلیم کا صحیح علم ہوسکتا ہے قرآن کوتعلیمات رسول سے جدا کرکے خودسمجھنے کی فکرخودفریبی کے سوا کچھ نہیں ہے اگر مضامین قرآنی کو بتلانے اورسکھلانے کی ضرورت نہ ہوتی تورسول کوبھیجنے ہی کی کیاضرورت تھی۔اللہ تعالیٰ کی کتاب کسی دوسری طرح بھی انسانوں تک پہنچائی جاسکتی تھی مگراللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہیں وہ جانتے ہیں کہ مضامین قرآن کی تعلیم وتفہیم کے لیے دنیاکے دوسرے علوم وفنون سے زیادہ تعلیم استاذ کی ضرورت ہے اوران مضامین کااستاذ وہ ہوسکتا ہے جس کوحق تعالیٰ سے بذریعہ وحی شرف کلام حاصل ہو۔

جس کواسلام کی اصطلاح میں نبی اوررسول کہتے ہیں اس لیے قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کودنیامیں بھیجنے کامقصد یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کے معانی واحکام کی شرح کرکے بیان فرمائیں،ارشاد ہے لتبین للناس ما نزل الیھم تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات

کے مطالب بیان فرمائیں۔

تلاوت قرآن کریم قرب حق کا بہت بڑا ذریعہ ہے

فضول اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہواور جو شخص خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو سچا مانتا ہے اس کو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ خالی الفاظ پڑھنے سے بھی ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور ثواب کا یہ ادنیٰ درجہ ہے اور اخلاص کے درجہ کے اعتبار سے سات سو یا اس سے بھی زیادہ ثواب ملنے کی امید ہے اور خالی الفاظ کا پڑھنا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے حق تعالیٰ کی توجہ اور قرب کا۔

اب اگر کوئی شخص نیکیوں کو اور حق تعالیٰ کی توجہ اور قرب ہی کو فضول سمجھنے لگے اور اس کا ہی منکر ہو تو اس سے ہمارا خطاب نہیں ہے اس وقت ہمارے مخاطب وہی حضرات ہیں جو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے قائل اور اس کے کلام کو سچا سمجھتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں یہ حضرات غور کریں کہ جب الفاظ کے پڑھنے کا فائدہ علاوہ معانی کے مستقل بھی ہے تو پھر اس کو طوطے کی سی پڑھائی کہنا کیسا صحیح ہوسکتا ہے؟اور اس کو فضول قرار دینا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ فضول تو وہ ہوتا ہے جس کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہواور اس طرح پڑھنے کا فائدہ آخرت میں ہوگا پھر یہ فضول کیسے ہوا ہاں کوئی شخص آخرت کا فائدہ ہی کا منکر ہو تو پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ وہ اس وقت ہمارا مخاطب نہیں ہے۔

تلاوت کا دوسرا فائدہ حفاظت قرآن ہے

دوسرا فائدہ علاوہ ثواب آخرت کے بغیر سمجھے پڑھنے سے یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ اس طرح قرآن کریم کی حفاظت ہورہی ہے اور ہر زمانہ میں ہزاروں کی تعداد میں اس کے حافظ بن کر اس کی حفاظت کا فرض انجام دے رہے ہیں۔

قرآن کریم کا معجزہ

اس زمانہ میں جبکہ قرآن کریم کی طرف رغبت کا کوئی سامان نہیں ہے نہ اس کے حفظ کرنے والوں کو ملازمتوں اور عہدوں کا لالچ ہے بلکہ زیادہ تر توجہ سرکاری اسکولوں میں پڑھنے کی طرف ہے اور سرکاری ملازمتوں اور عہدوں کے لالچ میں ہر شخص انہی اسکولوں کی طرف متوجہ ہورہا ہے، پھر بھی قرآن کریم کے اس قدر حفاظ موجود ہیں کہ بچے بھی حافظ ہیں اور مرد بھی اور بعض جگہ عورتیں بھی حافظہ ہیں، یہ قرآن کریم کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ جو لوگ معنی سمجھے بغیر قرآن کے الفاظ کو فضول کہتے ہیں کیا وہ قرآن کریم کی حفاظت کرنے کو فضول اور بے کار سمجھتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو یاد اور حفظ کرنے کے لیے ایسا آسان کردیا ہے کہ اس کو بہت جلد یاد کرلیا جاتا ہے اور یہ حفظ کرنا اس کی حفاظت کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

چھوٹی عمر میں حفظ اچھا ہوتا ہے

اور تجربہ شاہد ہے کہ حفظ قرآن چھوٹی عمر میں اچھا ہوتا ہے بڑے ہوکر

ویسایاد نہیں ہوتا جیسا بچپن میں ہوتا ہے،اور بچپن میں بچہ قرآن کریم کے معنٰی سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا، ایسی حالت میں اس کو طوطے کی طرح لفظی ترجمہ پڑھانے کا کیا فائدہ ہوگا جبکہ وہ اس کو سمجھتا ہی نہیں اور نہ ہی اس کے سمجھنے کی اس میں قابلیت ہے تو یہ صرف زبانی رٹنا ہوگا اور بچہ کے دماغ پر فضول بوجھ اور دوہری محنت ہوگی کہ الفاظ کو بھی پڑھے اور یاد کرے اس کے ساتھ ہی اس کے ترجمہ پر بھی محنت کرے۔

اب اگران لوگوں کے مشورہ پر عمل کیا جائے اور بچوں کو قرآن کریم ترجمہ سے پڑھایا جائے تو اس کا انجام یہی ہوگا کہ حفظ قرآن کا دروازہ بند ہوجائے گا قرآن کریم کی حفاظت کے بہت بڑے ذریعہ سے محرومی کے ساتھ حفظ قرآن کریم کے فضائل اور فوائد سے بھی محرومی ہوجائے گی نہ کوئی قرآن کریم کو تراویح میں ختم کرنے والا ملے گا نہ یہ سنت ختم قائم کی جاسکے گی ہر کاری مدارس کے پڑھے ہوئے صرف ناظرہ خوان ملیں گے جو اکثر وبیشتر صحیح پڑھے ہوئے نہیں ہوں گے اور حافظ تو ان سرکاری مدارس میں ہو ہی نہیں سکتے۔

تعلیم حکمت

تعلیم کتاب کے ساتھ آپ کے فرائض میں دوسری چیز حکمت بھی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ نے حکمت کی تعریف سنت سے کی ہے جس سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ جس طرح معانی

قرآن کا سمجھانا اور بتلانا فرض ہے اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول وآداب ان کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما بعثت معلماً میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں جب آپ کا مقصد بعثت معلم ہونا ہے تو اس سے لازم آیا کہ آپ کی امت کا مقصد وجود متعلم ہونا ہے اس لیے بحیثیت مسلمان ہر مرد وعورت کو ایک طالب علم ہونا چاہیے جس کو تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لگن ہو اگر علوم قرآن وسنت کی تکمیل تحصیل اور اس میں مہارت کے لیے ہمت اور فرصت نہ ہو تو کم از کم بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنے کی فکر چاہیے۔

تیسرا مقصد تزکیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں تیسرا فرض تزکیہ ہے جس کے معنی ہیں ظاہری وباطنی نجاسات سے پاک کرنا، ظاہری نجاست سے تو عام مسلمان واقف ہیں، باطنی نجاسات کفر اور شرک، غیر اللہ پر اعتماد کلی اور اعتقاد فاسد، نیز تکبر وحسد، بغض، حب جاہ اور حب دنیا وغیرہ ہیں، اگرچہ قرآن کریم کی تعلیم میں ان سب چیزوں کا بیان آ گیا ہے لیکن تزکیہ کو الگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جداگانہ فرض قرار دے کر اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوتا اسی طرح نظری وعلمی طور پر فن حاصل ہو جانے سے اس کا استعمال وکمال حاصل نہیں ہوتا جب تک کسی مربی کے زیر نظر

اس کی مشق کر کے عادت نہ ڈالے، سلوک وتصوف میں شیخ کامل کی تربیت کا یہی مقام ہے کہ قرآن وسنت میں جن احکام کو عملی طور پر بتلایا گیا ہے ان کی عملی طور پر عادت ڈالی جائے (معارف القرآن)

مدارس دینیہ کا مقصد

دعاء ابراہیمی میں جن امور کا ذکر فرائض نبوت کے طور پر کیا گیا ہے یعنی تلاوت، تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت (جن کی بقدر ضرورت تفصیل اوپر گزر چکی ہے) وہی فرائض ورثۃ الانبیاء کے ہونے ضروری ہیں۔ مدارس دینیہ کا مقصد صرف اور صرف رجال آخرت تیار کرنا ہے جو علوم نبوت کے حامل بن کر ان کی ترویج واشاعت کریں اور داعی الی الحق ہوں، دنیا ان کا مطمح نظر نہ ہو محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی ان کا مقصد وحید ہو، باطل طاقتوں کا حسب استطاعت تحریر وتقریر سے مقابلہ بدعات ومحدثات دین کی حفاظت، اور آئے دن نئے فتنوں اور ملت اسلامیہ پر طاغوتی حملوں سے ملت کو محفوظ رکھنا بس یہ ہے دینی مدارس کا اصل مقصود۔

مکاتب اور دینی مدارس کا نصاب تعلیم

دینی مدارس میں پہلے بچوں کو قرآن کریم کے الفاظ کی تعلیم دی جاتی ہے ناظرہ یا حفظ جیسی بھی صورت ہو، اس کے بعد جس طرح بچہ کی عمر بڑھتی جاتی ہے اس کے مطابق اس کی تعلیمی ترقی بھی تدریجاً درجہ بندی سے ساتھ ساتھ ہوتی جاتی ہے، چنانچہ قرآن کریم پڑھنے کے بعد کچھ فارسی پڑھائی جاتی ہے کہ بعض کتابیں

جوعربی سیکھنے کے لیے ضروری ہیں وہ فارسی زبان میں ہیں اوربھی اس زبان میں بزرگان دین کی گلستان،مثنوی شریف مولانا روم وغیرہ کتابیں ہیں جن سے اخلاق فاضلہ کی تعلیم ملتی ہے اورمفید نصائح حاصل ہوتے ہیں پھرعربی صرف ونحو (گرائمر) کی تعلیم دی جاتی ہے جب اس کی عمراور استعداد عربی سمجھنے کے لائق ہوجاتی ہےتو تین سال میں لفظی ترجمہ قرآن کریم کا استاذ پڑھاتا ہےاورقواعدنحو وصرف اورلغت عربی کے مطابق ہرہرلفظ کا ترجمہ بتلاتا ہےاس طرح طالب علم کو عربی کے ہرہرلفظ کے ترجمہ کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ ترجمہ قرآن کے کون سےلفظ کا ہےاورکیوں،مثلاً ''یعلمون'' کا ترجمہ وہ جانتے ہیں کیوں ہےوہ عمل کرتے ہیں کیوں نہیں ہوسکتا''یعلمون''علم سے بنا ہےاس کے معنی جاننے کے ہیں اس لیے''یعلمون''کے معنی بھی وہ جانتے ہیں ہوں گےاورعمل کرتے ہیں ترجمہ ہے یعملون کا کیونکہ یہ عمل سے بنا ہےاور دونوں صیغے جمع مذکر کے ہیں۔ یہ ایک ادنیٰ مثال ہےاس طرح قرآن کریم کا ترجمہ پڑھایااورسمجھایا جاتا ہےجو یادرہتا ہےاوریہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ کس عربی لفظ کا کیا ترجمہ ہے اورکیوں ہے۔

قواعدصرف ونحواورلغت کے پڑھےبغیرصرف ترجمہ پڑھ لینےاورزبانی یادکرلینے سے نہ یادرہ سکتا ہےنہ یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کا ترجمہ کیوں کیا گیا ہے۔مثلاًاوپرکی مثال میں کوئی شخص یعلمون کا ترجمہ وہ جانتے ہیں کی بجائے وہ

کرتے ہیں کرنے لگے تو یہ ترجمہ کا رٹا لگانے والا اس کی غلطی کی وجہ نہیں بتلا سکتا اور عربی مدارس کا ادنیٰ طالب علم اس کی غلطی کی وجہ سمجھا سکتا ہے جیسا کہ اوپر گزرا ہے، نیز طوطے کی طرح ترجمہ پڑھنے والا یہ شخص کسی لفظ کا ترجمہ اگر بھول جائے اور لکھا ہوا ترجمہ اس کے پاس نہ ہو نہ کوئی بتلانے والا ہو تو اپنی طرف سے نہ معلوم اس کا کیا ترجمہ اپنے ذہن میں بٹھالے گا اور قرآن کریم کی مراد کو کس طرح بگاڑ دے گا اس کا اندازہ آج کل ایسے ہی لوگوں کے آزاد ترجموں سے لگایا جا سکتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بچپن میں الفاظ قرآن ہی کو پڑھنا چاہیے اور ترجمہ کے تکلف میں نہیں پڑنا چاہیے اگر کسی لفظ کا ترجمہ غلط یاد ہو گیا تو اس کی غلطی اس پر واضح نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کو قواعد عربیت کا علم نہیں ہوتا، غرضیکہ بغیر ترجمہ پڑھنے کو فضول کام سمجھنا بہت بڑی غلطی اور قرآن کریم کی حفاظت سے روگردانی کے مترادف اور اس کے دینی اور دنیوی فوائد سے محرومی کا باعث ہے۔

مکاتب قرآنیہ کی ضرورت واہمیت

مذکورہ فطری اور آسان طریقہ کے مطابق قرآن کریم کے حفظ ناظرہ تعلیم کی خدمت مکاتب قرآنیہ کے ذریعہ بحمداللہ ہو رہی ہے اور ہزاروں کی تعداد میں ان مکاتب سے حافظ قرآن اور ناظرہ خوان فارغ ہو رہے ہیں اس طرح مسلمانوں کی دینی ضروریات ان کے ذریعہ پوری ہو رہی ہیں اور حفاظت قرآن کا جو فرض تمام مسلمانوں پر عائد ہے وہ بھی انجام پا رہا ہے، سرکاری مدارس میں

وقت کی قلت اور دوسرے مضامین کی کثرت کی وجہ سے حفظ قرآن کا تو تصور ہی نہیں ہوسکتا عام طور پر ناظرہ تعلیم بھی صحیح نہیں ہوتی اور اکثر معلمین خود صحیح پڑھے ہوئے نہیں ہوتے اس سے بجائے فائدہ کے الٹا مکاتب قرآنیہ کی اہمیت کو گرانے کا مقصد حاصل کیا جارہا ہے، حالانکہ قرآن کریم کی صحت لفظی کے ساتھ حفاظت قرآن کی جو خدمت یہ مکاتب قرآنیہ انجام دے رہے ہیں اور ان کے ذریعہ سے جو فوائد مسلمانوں کو حاصل ہورہے ہیں وہ سرکاری مدارس کے ذریعہ حاصل نہیں کیے جاسکتے تجربہ شاہد ہے۔

مدارس دینیہ میں علوم عصریہ کی پیوندکاری

آج کل مدارس دینیہ میں علوم عصریہ کی پیوندکاری پر بڑا زور دیا جارہے حالانکہ امت کی دینی رہبری اور اصلاح کے لیے علوم دینیہ میں ٹھوس استعداد کے علماء تیار کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دوسرے علوم میں اشتغال سے اصل مقصد کا فقدان یا کم ازکم اس میں اختلال ضرور آئے گا تجربہ اس کا شاہد ہے، ندوۃ العلماء لکھنوء اور جامعہ ملیہ دہلی وغیرہ اس کی قدیم مثالیں سامنے ہیں اور اب پاکستان میں جامعہ عباسیہ بہاول پور وغیرہ تازہ مثال ہے، علوم دینیہ کی قدیم درس گاہوں دارالعلوم، مظاہر العلوم وغیرہ سے جس قدر بلند پایہ علماء تیار ہوئے اور انہوں نے جس قدر امت کی رہنمائی کا کام انجام دیا اس کی مثال دوسرے ممالک اسلامیہ میں بھی نادر اور کمیاب ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں

آرہا ہے کہ جو لوگ علوم دینیہ کے ساتھ دینوی علوم وفنون کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں وہ رفتہ رفتہ بعد چندے ان ہی علوم کے ہو رہتے ہیں کیونکہ نوکریوں اور بڑے عہدوں کا لالچ ان کے لیے جاذب ہوتا ہے حب مال اور حب جاہ کا مرض عام طور پر طبائع میں موجود ہوتا ہی ہے ۔ اعمال تو در کنار خیالات وافکار تک میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور کم از کم یہ ذہنی فساد تو آ ہی جاتا ہے علوم عصری کو اولیت اور علوم دینیہ کو ثانوی حیثیت دی جانے لگتی ہے۔

حالانکہ اسلامی تعلیمات میں فکر آخرت کو اولی حیثیت اور فکر دنیا کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے قرآن کریم کے واضح اعلانات اور احادیث طیبہ کی ہدایات اس پر شاہد ہیں۔

اس اعتبار سے علوم دینیہ کو مسلمانوں کی زندگی میں اولی حیثیت حاصل ہونی چاہیے، اور جو علوم ذریعہ معاش ہیں انہیں بہر حال ثانوی درجہ پر رکھنا چاہیے، اسلام جائز ذریعہ معاش اختیار کرنے کا مخالف نہیں ہے البتہ اس کو مقصود زندگی بنانے کا مخالف ہے۔

علماء پر الزام

علماء پر یہ بہت بڑا الزام ہے کہ وہ علوم عصریہ یعنی ذریعہ معاش کے مخالف ہیں ،کوئی عالم اس کا مخالف نہیں البتہ اس کو مقصود بنا کر علوم دینیہ کو پس پشت ڈالنے یا ثانوی حیثیت دینے کے مخالف ہیں۔

شریعت کی نگاہ میں علم کسے کہتے ہیں

شریعت اسلامی کی نظر میں علم ان معلومات کا نام ہے جس کے ذریعہ آخرت کی کامیابی اوراللہ رب العزت کی رضامندی حاصل ہواور جس کا ثمرہ صاحب علم پرخشیت خداوندی کی صورت میں ظاہر ہو چنانچہ سورۂ زمر آیت ۳۸ میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔

علم کا اطلاق اصطلاحاً اور حقیقۃً صرف ان علوم پر کیا جاسکتا ہے جن کی وراثت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اسی وجہ سے علماء کو وارثین انبیاء علیہم السلام کا خطاب دیا گیا ہے(مشکوٰۃ)

نصوص قرآن وسنت میں جہاں بھی علم سیکھنے سکھلانے کی ترغیب آئی ہے اس سے علم دین ہی مراد ہے جو آخرت کی کامیابی اور فلاح کا ذریعہ ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر اس کی فرضیت کا حکم دیا گیا اور تحصیل کی تاکید کی گئی ہے۔

ذریعہ معاش

علم دین کے علاوہ جتنے بھی علوم کہلائے جاتے ہیں وہ درحقیقت علم نہیں بلکہ ہنر اور ذریعہ معاش ہیں یعنی ان کا فائدہ صرف دنیا تک محدود ہے آخرت میں وہ علوم علم ہونے کے اعتبار سے قطعاً کسی کام نہیں آئیں گے۔

شریعت کی نگاہ میں جس طرح تجارت، صنعت وحرفت، لوہاری، بڑھئی کا کام کرنا دنیا کمانے اور کسب معاش کے ذرائع ہیں بعینہ یہی حیثیت ان علوم

عصریہ کی بھی ہے جوصرف دنیا کمانے کے لیے پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں اس لیے انہیں علم نہیں ذریعہ معاش اور ہنر کہنا چاہیے۔ان پر حقیقۃً علم کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا علم تو وہی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ علم ہونے کی حیثیت سے کام آئے اور یہ صفت قرآن وحدیث اور اس سے متعلقہ علوم ہی میں پائی جاتی ہے البتہ اگر کسی علم کو قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے ذریعہ بنایا جائے یا اخروی نفع کے لیے اس کی تحصیل کا ارادہ کیا جائے تو اسے بھی حقیقی علم کے ساتھ ملحق سمجھا جا سکتا ہے (ماہنامہ دار العلوم دیوبند ماہ اکتوبر ۱۹۹۴ء)

مدارس کا تناسب

ہمارے دانشوروں اور صحافیوں کا محبوب مشغلہ دینی مدارس میں جدید علوم داخل کرنے کے لیے شور مچانا ہے حالانکہ دینی مدارس کی تعداد عصری اسکولوں کے مقابلہ میں حد درجہ کم ہے، آبادی کا بمشکل ایک فیصدی دینی مدارس میں پڑھنے آتا ہوگا جبکہ اسکولوں کالجوں میں تقریباً پچیس فیصدی پڑھنے جاتا ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ اسکولوں میں جانے والی اس اکثریت کے دین وایمان کی فکر کرنے اور ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی بجائے جو ایک فیصد طبقہ آخرت کی فکر کرتا ہے اس کا تشخص مٹانے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

مولویوں کے معاش کی فکر

ہمارے دانشوروں اور صحافیوں کو مولویوں کے معاش کی بڑی فکر رہتی ہے معلوم ہوتا ہے ع سارے مدارس کا درد ہمارے دل میں ہے

اور معاشرہ میں ان کے اعزاز اور بلندی مقام کی خواہش کا بڑھ چڑھ کر تذکرہ کیا جاتا ہے حالانکہ علوم نبوت کے حاملین بڑے سکون واطمینان کے ساتھ دین کی خدمت میں مشغول ہیں اور بقدر ضرورت معاش کا انتظام بھی اپنی مدد آپ کے اصول پر ہو رہا ہے نہ اس میں کسی سفارش کی ضرورت پیش آتی ہے نہ رشوت کی لعنت سے واسطہ پڑتا ہے اور الحمدللہ معاشرہ میں ان حقانی علماء کو خداداد حقیقی عزت وقبولیت کا وہ مقام حاصل ہے جو کسی بڑے سے بڑے مصنوعی عزت والے عہدہ دار کو نصیب نہیں ہو سکتا، کہیں ایسا تو نہیں کہ مخلص علماء دین کی مسلمانوں کے دلوں میں عزت اور ان کے اثر ورسوخ کو مٹانے کے لیے ان کے خلاف یہ تحریک چلائی جارہی ہے اور ان کو اعلیٰ مقصد خدمت دین سے ہٹا کر دنیا کی طرف مائل کیا جارہا ہے تاکہ دین کی وجہ سے جن مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عزت ومحبت ہے وہ نہ رہے اور ان کا بھی ان مسٹروں کی صف میں شمار ہونے لگے۔

معاشرہ کا جائزہ

معاشرہ کا جائزہ لے کر دیکھیے کہ اتنے مولوی آپ کو روزگار کی تلاش میں گھومتے ہوئے نہیں ملیں گے جتنے گریجویٹ بے روزگار قدم قدم پر ملیں گے کہ

ان کا شمار مشکل ہو جائے گا، اور ایم۔اے، بی۔اے کو چپڑاسی اور ان کی تعلیم کے مطابق تو نوکری کیا ملتی وہ چپراس کی نوکری کے لیے بھی ترس رہے ہیں بلکہ مظاہروں اور جلوسوں کے نکالنے پر مجبور ہو رہے ہیں حالانکہ اس طبقہ کی تعلیم کا مقصد ہی نوکریوں کا حاصل کرنا اور دنیا کمانا ہے۔

اب جب نوکری بھی نہ ملی تو پھر ان کے حسب حال کسی کا یہی قول ہوگا:

ع نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

جبکہ علماء علوم دینیہ کو روزگار کے لیے نہیں پڑھتے اگر ان کو نوکری نہ ملے تو ان کے لیے یہ کوئی عیب نہیں ہے۔

مدارس کے چندہ سے متعلق حضرت حکیم الامت تھانوی کی رائے گرامی

فرمایا کہ مدارس کے چندوں کے بارہ میں ہمیشہ سے میری رائے یہ ہے کہ زور دے کر اور دباؤ ڈال کر وصول نہ کیے جائیں اور اس طرز کو میں سدا سے ناجائز کہتا تھا لیکن اب اس کے متعلق ایک عجیب تائید تفصیل کے ساتھ قرآن شریف کی آیت سے مل گئی جس پر اس کے قبل کبھی نظر نہ ہوئی تھی وہ یہ ہے کہ چندہ لینے میں ایک سوال کا مرتبہ ہے اور وہ ناجائز ہے اور ایک ترغیب کا مرتبہ ہے اور وہ جائز ہے اور سند اس کی کلام مجید کی اس آیت سے ملتی ہے، خدا تعالیٰ مذمت سوال

میں فرماتے ہیں کہ "لایسئلون الناس الحافا" اس سے
معلوم ہوا کہ سوال نہ کرنا چاہیے ، اور دوسری جگہ فرماتے
ہیں "ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون
بالمعروف" اس لیے چندے میں ترغیب کا مضائقہ نہیں
کیونکہ حفاظت دین ضروری امر ہے اور بغیر سلسلہ تعلیم وتعلم
ممکن نہیں اور یہ سلسلہ اس وقت عادۃً بدوں اعانت نہیں چل
سکتا، پس اعانت ایک امر خیر کا مقدمہ اور موقوف علیہ ہے لہٰذا
خیر ہے بلکہ ایک امر ضروری کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے ضروری
ہے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح علماء کو دباؤ ڈال کر سوال نہ کرنا چاہیے اسی طرح
اہل دنیا کو ترغیب پر انکار بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وان تؤمنوا وتتقوا یؤتکم اجورکم
ولا یسئلکم اموالکم ان یسئلکموھا فیحفکم تبخلوا ویخرج اضغانکم
ھا نتم ھؤلآء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللّٰہ فمنکم من یبخل ومن یبخل
فانما یبخل عن نفسہ واللّٰہ الغنی وانتم الفقرآء وان تتولوا یستبدل قوماً
غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم لوگ ایمان لا کر متقی بن جاؤ تو خدا تعالیٰ تم کو

اجر بھی دے گا اور تم سے تمہارے مال کا سوال نہ کرے گا کیونکہ اگر تم سے تمہارے مال کا خدا تعالیٰ سوال کرے اور سوال میں مبالغہ بھی کرے تو تم ضرور بخل کرو گے اور تمہارے بخل کو یہ سوال ظاہر کر دے گا (گویا اَڑ کر سوال کرنے کا یہ خاصہ ہے کہ اس پر دینے کو جی نہیں چاہتا اور انسان انکار ہی کر دیتا ہے اور اس طبعی خاصہ کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ایک گونہ ان لوگوں کو معذور رکھ کر یہ فرما دیا کہ خدا تم سے تمہارے مال کا سوال نہ کرے گا لیکن اس سوال نہ کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بالکل چھٹکارا ہو گیا اور اب کوئی بات بھی ہمارے ذمہ نہیں رہی کیونکہ باوجود سوال نہ کرنے کے) اے لوگو! تم کو انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت (ترغیب) دی جائے گی (اور تم لوگوں کو جو محبت مال اور دینی بے پروائی ہے اس کے سبب) کچھ لوگ تم میں سے ترغیب دینے میں بخل بھی کریں گے لیکن یہ سمجھ لو کہ وہ لوگ اپنا ہی نقصان کریں گے (کیونکہ اس دینے کا ثواب انہیں کو ملتا اور انہیں کی دینی اور دنیوی ضرورتیں اس سے پوری ہوتیں) خدا (تمہارے مالوں سے) بالکل غنی ہے اور تم (اس کے افضال اور انعامات کے) سراپا محتاج ہو اور (سن رکھو کہ)اگر تم لوگ (اس طرح بھی دینے سے) پھرو گے تو خدا تعالیٰ (تم کو نیست و نابود کر کے) تمہاری جگہ دوسری ایسی قوم پیدا کر دے گا کہ وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر اَڑ کر سوال کرنے پر انکار کیا جاوے تو چنداں عیب نہیں کیونکہ یہ انسان کا طبعی خاصہ ہے لیکن اگر محض ترغیب پر انکار کیا

جاوے تو سخت وبال کا اندیشہ ہے، اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سوال والحاف برا ہے اور دعوت ترغیب حَسن ہے۔

(مقالات حکمت مجموعہ ملفوظات حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ ص ۱۰۴)

ملت پر بڑا احسان

مسلمانوں پر قومی حیثیت سے جتنا بڑا احسان مدارس دینیہ کا ہے اور تحریک مدارس نے ملت اسلامیہ کو تحفظ کا جو مقام دیا ہے وہ کسی اور تحریک کے حصہ میں نہیں آیا۔

یہ مدارس اگر چہ بظاہر محض علوم اسلامیہ کے محافظ ہیں لیکن درحقیقت تحفظ شریعت کے قلعے اور حفاظت اسلام کی محفوظ چھاؤنیاں ہیں۔

آج برصغیر میں دینی اور اسلامی تبلیغی اور اصلاحی جتنی بھی سرگرمیاں جاری ہیں بظاہر اسباب وہ سب انہی دینی اداروں کی خاموش خدمت کی رہین منت اور انہی کے ثمرات ہیں۔

اس ملک میں مسلمانوں کا وجود وبقاء اور اسلامی تعلیمات واقدار کا تحفظ انہی مدارس سے وابستہ ہے بلکہ دنیا کے جس خطہ میں بھی بنیادی دینی تعلیم کے ادارے ہوں گے وہاں مخالف تیز وتند ہواؤں کے باوجود اسلامی زندگی کے واضح نقوش باقی رہیں گے اور مسلمانوں میں اسلامی شعور زندہ اور تابندہ رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ وماذلك على الله بعزيز۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دینی خدمات کے انجام دہی کی توفیق بخشیں اور ہمارے لیے دینی مدارس کے اصل مقصود فکر آخرت کے حامل افراد کی تیاری کو ملحوظ خاطر رکھنا آسان فرماویں، آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ